International Journal of Applied Research 2017; 3(10): 131-132

ISSN Print: 2394-7500
ISSN Online: 2394-5869
Impact Factor: 5.2
IJAR 2017; 3(10): 131-132
www.allresearchjournal.com
Received: 22-08-2017
Accepted: 23-09-2017

Mazahir Huasain
Research Scholar Dept of Urdu
Sri Venkteswar University
Amroha Ghazrola UP, India

Correspondence
Mazahir Huasain
Research Scholar Dept of Urdu
Sri Venkteswar University
Amroha Ghazrola UP, India

سب سے چھوٹا غم

Mazahir Huasain

Introduction

افسا نہ ’’ سب سے چھوٹا غم‘‘ عابد سہیل کے سب سے پہلے افسانوی مجمو عے’’سب سے چھوٹا غم‘‘ کا ہی پہلا اور ایک خو بصورت افسانہ ہے۔ جس میں عابد سہیل نے بڑی فن کا را نہ مہا رت کے ساتھ ایک عورت کی نفسیات کو پیش کیا ہے جو بہت دکھی ہے لیکن جب اس کاو اسطہ دوسرے لوگوں کے دکھوں سے ہو تا ہے تو اسے اپنا غم بہت چھوٹا معلوم ہونے لگتاہے۔

کہانی اس طرح ہے کہ ایک عورت جو اپنے شو ہر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔خواب میں خواجہ سلیم چشتی کی درگاہ پر اپنا سوال لے کر خود کو کھڑا پاتی ہے۔ وہاں جالیوں میں منتوں کے لاکھوں دھاگے بندھے ہوئے ہیں جن میں وہ اپنا قریب دس سال پہلے باندھے ہوئے دھاگے کو تلاش کرتی ہے۔ لیکن تنے دھا گوں کے درمیان اسے یہ کام ناممکن ہی لگتا ہے۔ تبھی اس کے قریب بظا ہر خو ش حال گھرا نے کی ایک خا تون دھا گہ باندھنے آ تی ہے۔ جس کی ظاہری حا لت کو دیکھ کر وہ سوچتی ہے کہ اس عورت کو کیا غم ہو سکتا ہے۔اس بیچ حقیقت کی دنیا سے اس کا واسطہ پڑتا ہے اور وہ شو ہر کے نا مناسب رویے کا شکار معلوم ہو تی ہے۔ تھو ڑی دیر بعد وہ پھر سپنے میں اس درگاہ کی سیر کرتی ہے اور اس مرتبہ اسے دو خوش نصیب عورتیں نظر آتی ہیں۔ان کی منت پوری ہو چکی ہے۔وہ بہت خوشی خوشی ایک بچے کو لے کر وہاں آتی ہیں مگر سامنے جالی پر بندھے بے شمار دھاگوں کو دیکھ کر اس کا سارا اطمینان جاتا رہتا ہے ،کیونکہ یہ سب وہ دھا گے ہیں جن کی منتیں پوری نہیں ہوئی ہیں۔انہیں دیکھ کر وہ سوچتی ہے کہ اس دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو دکھی ہیں، پریشان ہیں ۔اس کے بعد ان سب کے مقابلے میں اسے اپنا دکھ بہت کم محسوس ہونے لگتا ہے۔

پوری کہانی خواب میں سفر کرتی ہے۔ خواب دیکھنے والی عورت یعنی کہا نی کا مرکزی کردار تشنہ آ رزوؤں اور دھوری خواہشات کا شکار ہے۔ تھو ڑی دیر کے لیے اس کا واسطہ حقیقت سے ہو تا ہے مگر اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے وہ پھر سے نیند کی آ غوش میں چلی جاتی ہے۔

کہانی کی مرکزی کردار بظا ہر دو لت، شہرت، عزت، اولاد، ملازم غرض ہر طرح سے مالا مال نظر آ تی ہے مگر وہ اپنے شو ہر کے رویے سے نا خوش ہے۔ جا وید جو کبھی اسے چا ہنے کا دعویٰ کرتا تھا آج نو کروں سے بھی بدتر اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ ہر عورت کی طرح یہ عورت بھی اپنے شو ہر کا پیار پانا چاہتی ہے اور ایک خوددار انسان کی طرح عزت بھی۔ اپنی ذات کی اسی اہمیت یا اپنی شخصیت کی انفرادیت کو اجا گر کر نے کے لیے وہ خوا جہ سلیم چشتی کی در گاہ پر چلی جاتی ہے اور اس دھا گے کو جو کبھی اس نے جاوید کے ساتھ مل کر پیار سے باندھا تھا تلاش کرنے لگتی ہے۔ اس کے ماضی پررو شنی ڈا لتے ہو ئے عا بد سہیل لکھتے ہیں:

’’ اس نے تینوں طرف کی جالیوں میں بندھے ہوئے ہزاروں بلکہ لاکھوں دھاگوں کو دیکھاان میں دس سوا دس سال قبل اپنے باندھے ہوئے دھاگے کو تلاش کرنے لگی۔
بائیں طرف والی جالی پر جس کے با ہر گیندے کے پیلے پیلے پھول اور ہارڈ پھر تھے، اور بہت سے دیے جل رہے تھے۔ اس نے اپنے دھاگے کو پہچاننے کی کوشش کی۔اسے خوب اچھی طرح یاد تھا کہ اس طرف جالی کے بالکل کونے میں اس نے دھاگے میں ایک گرہ لگائی تھی اور پھردوسری گرہ جاوید نے۔ اسے یہ بھی یا د تھا کہ ابھی اس کی انگلیاں پوری طرح گرہ لگا بھی نہ پائی تھیں کہ جاوید کی انگلیاں وہاں پہنچ گئی تھیں اور انگلیوں کے اس لمس کے بعد جاوید اس کی آ نکھوں میں جھانک کر مسکرا نے لگا تھا اور وہ شر ما کے نیچے دیکھنے لگی تھی۔ ‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص15]

دھا گے کو پہچاننے کی یہ جدو جہد در اصل کردار کے اپنے کھوئے ہوئے وقار اور عزت کو دو بارہ حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ کردار کی یہی جدو جہد، کشمکش میں ڈو بی یہی کیفیت اور اتنی بڑی دنیا میں اپنی چھوٹی سی ذات کی یہی شناخت کہانی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھاتی ہے اور زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یعنی غم کی
اہمیت سے قاری کا سامنا کرا تی ہے۔ اس سچا ئی کا ہنر مندی کے ساتھ احا طہ کرتے ہوئے عابد سہیل لکھتے ہیں:

’’ لیکن یہاں بھی لاکھوں دھا گے بندھے تھے ،کسی میں ایک گرہ تھی،کسی میں دو۔ ان میں اس کا اپنا کون سا تھا؟ اس نے کونے کے دھاگوں پر ہاتھ پھیرا، آ ہستہ آ ہستہ جیسے جاوید کے ہاتھوں کے لمس سے وہ اپنے دھا گے کو پہچان ہی تو لے گی۔لیکن کہیں خواہشوں کی کڑی تھی، کہیں آرزؤں کی نرمی اور کہیں ما یوسیوں کی تاریکی اور مصائب کی سختی۔ ‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص16]

تبھی اس کی نظر پاس کھڑی عورت پر پڑتی ہے جو اسی کی طرح اپنے سینے میں درد لئے خوا جہ سلیم چشتی

کی درگاہ پر بڑی امید سے آئی ہے۔ اس کے ملائم و گداز ہا تھوں، خو بصورت پیروں اور بڑی بڑی اداس آنکھوں کو دیکھ کر وہ سوچتی ہے کہ بھلا اس حسین عورت کو کیا غم ہو سکتا ہے۔ کیو نکہ دیکھنے میں تو غربت سے اس کا دور دور تک کا بھی کو ئی واسطہ نظر نہیں آ تا۔ مانگ کا سندور اور ہاتھوں کی چو ڑیاں اس کی آ باد زندگی کی گواہ ہیں۔لیکن کوئی نہ کوئی تو وجہ ضرور ہو گی جو شوہر، دو لت، اولاد اور ہر طرح کے آ رام کے با وجود وہ یہاں چلی آئی ہے۔ اس کے چہرے کا میک اپ بھی اچھی طرح قا ئم ہے اور ساڑھی بھی بے شکن نظر آ تی ہے۔ مگر اسے کوئی غم تو ضرور ہے جو وہ یہاں آئی ہے اور پھر اپنی مراد کو منوانے کے لیے وہ عورت وہی سب کرتی ہے جو سبھی لوگ کرتے ہیں۔ اس اجنبی عورت کے ذہنی کرب اور خوا جہ چشتی سے اس کی عقیدت کو مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے:

’’ دھاگے میں گرہ لگانے کے بعد اس نے ذرا جھک کر، دو نوں ہاتھ باندھ کر،جیسے جالی کو پرنام کیا، پھر مڑی اور مزار پر جاکر کھڑے ہی کھڑے دوہری ہو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر ایسے رو ئی کہ سارے بندھ ٹوٹ گئے، بلکہ بہہ گئے۔لیکن ان آ نسوؤں نے اسے اور بھی خوبصورت اور بھی معصوم بنادیاتھا..‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص19]

کہا نی کی مرکزی کردار اس اجنبی عورت کی یہ بے چینی دیکھ کر تڑپ جاتی ہے۔ وہ اسے دیکھنے با ہر تک آ تی ہے جہاں وہ دو بڑے بڑے نوٹ چندے کے بکس میں ڈالتی ہے۔ اور الائچی دا نے لینے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلا دیتی ہے۔ جاتے وقت وہ پھر پلٹ کر مزار کو دیکھتی ہے جس سے اس کی اندرو نی بے قراری بخو بی ظا ہر ہوتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد وہ اس جگہ کے پاس جا کر اس غیر عورت کے دکھ کا اندازہ لگانا چاہتی ہے مگروہ اس میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔ اسی دوران وہاں گائیڈ بھیڑ کے ساتھ آ تا ہے اور اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

عابد سہیل لکھتے ہیں:

’’ ایک بار پھر اس نے مزار کے قدموں کے سامنے کی جالی پر .... بندھے ہوئے دھا گوں پر ہاتھ پھیرا تو جا وید دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہو گیا، نشہ میں دھت، ٹائی کی گرہ ڈھیلی، بال بکھرے ہوئے، سوٹ شکن آلود،آنکھیں سرخ اور دہاڑتا ہوا

’’ میں کہتا ہوں یہ میرا گھر ہے یا کسی اور کا۔ دو دو گھنٹے چلا ؤں تب کہیں جاکردروازہ کھلتا ہے۔نہ آ یا کروں، کہیں اور سورہا کروں؟‘‘

’’ ذرا آنکھ لگ گئی تھی، تھو ڑی دیر پہلے تک تو جاگ رہی تھی۔‘‘ اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور ٹائی کی گرہ کھو لنے لگی۔

’’ ہو نہہ جاگ رہی تھیں،تھو ڑی دیر پہلے تک، تو پھر مر کیوں گئی تھیں میرے آ نے پر۔‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص19]

اور خواب سے بیدار ہوتے ہی مرکزی کردار کی زندگی کا تلخ پہلو رو شن ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی اذیت بھری زندگی بسر کررہی ہے اور اس کے پاس کون سا غم ہے۔ جاوید اس کا شو ہر ، جو کبھی اسے بہت چاہتا تھا۔آج اس سے کس قدر جا رحا نہ انداز میں بات کرتا ہے۔ جاوید کے ظالم کی مظلومیت کا بھی بخو رویے کے ساتھ ساتھ قاری کو یہاں ایک عورت بی احساس ہو جاتا ہے کہ جا وید کی بیوی ایک مشرقی عورت کی طرح اس کی خدمت گزار ثا بت ہوتی اور وہ اس کے ظلم و ستم کو بھی بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتی ہے اور وہ ایک بار پھر اس اضطراب سے بچ کر نیند کی آ غوش میں چلی جاتی ہے۔

عابد سہیل نے بڑے اچھے انداز میں روتے اور سسکتے سوالوں کے ساتھ ہنستے اور مسکراتے شکر گزار لو گوں کو بھی مو ضوع تحریر بنایا ہے اور غم کی شدت کے ساتھ خوشی کے احساس سے بھی قاری کو دو چار کرا یا ہے۔ اس بار وہ ایک بو ڑھی عورت کو دوسری عورت کی گود سے بچہ لیتے اور مزار کے قدموں میں ڈالتے ہو ئے دیکھتی ہے۔ دو نوں ہی عورتیں بہت خوش ہیں اور ان میں سے ایک عورت جالی کے پاس جا کر دھاگا کھول دیتی ہے پھر دونوں بڑی عقیدت کے ساتھ مزار کی طرف گردنیں جھکاتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور پھر:

’’ اسی لمحہ اس کی نظر ماں کی گود میں مسکراتے ہوئے بچہ پر دو با رہ پڑی اور وہ خود بھی مسکرا دی۔‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص20]

اس طرح شاہ کے دربارمیں کسی دوسرے کی جھو لی کو بھرتے دیکھ کر ایک تہی دامن کا کچھ مطمئن ہو نا لا زمی سی بات ہے۔ کیونکہ یہی اعتماد انسان کے اندر امید پیدا کرتا ہے اور معصوم بچے کو دیکھ کر مسکرا نا ایک فطری سی بات ہے۔ کہ معصوم چیز پر سبھی کو پیار آ تا ہے۔ یہ عابد سہیل کی انسا نی فطرت، فطرت نگاری اور غم کے ساتھ خو شی کا ہو نا ان کی حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے کہ وہ بڑے سلیقے سے غم کے ساتھ خوشی اور خوشی کے بعد غم کا ذکر گویا قانون فطرت فان مع العسر یسریٰ.ان مع العسر یسریٰ. کی تفسیر کرتے ہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں

’’ لیکن اس کی یہ مسکرا ہٹ عارضی تھی ۔ ساری جانیوں پر محرومیوں، تمنا ؤں، نا کامیوں کے آنسوؤں میں ڈو بے ہوئے لاکھوں لال دھاگوں کے درمیان ایک پھول کب تک اپنی شادابی بر قرار رکھ سکتا تھا....‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص20]

اور پھر وہاں عابد سہیل کے انفرادی اسلوب قلم کے وقار کا بخو بی اندازہ ہو جاتا ہے جب ان لاکھوں دھا گوں سے بندھی فریادیں، ان سے امڈ آنے والی آ رزوئیں اور ان سے چھن کر آ نے والی درد میں ڈوبے دلوں کی صدائیں کہانی کے مرکزی کردار کو نا کامیوں،نا مرادیوں اور ما یوسیوں کے بجائے اسے ہمت، حو صلہ اور امید کی ایک ایسی مضبوط ڈور سے باندھتے ہیں کہ اسے ڈھیروں غموں کے مقابلے میں اپنا غم، بہت تھو ڑا لگنے لگتا ہے۔منصف کہتے ہیں:

’’ اس نے ایک بڑا دھا گا لیا اور جالی کے چاروں کونوں پر باندھ دیا۔ پو ری جالی کو گھیر کر، سارے غموں، دکھوں اور تمناؤں کا احا طہ کئے ہوئے۔ اب وہ رو پڑی۔ اس کی آنکھیں سمندر بن گئیں۔ اس نے آ نسو پو چھنے کی کوشش کی

اور رندھے ہو ئے گلے سے بو لی’’شیخ ان سب کی مرادیں بر آئیں تو میرا غم بھی ہلکا ہو جائے گا۔ اتنے بہت دکھوں کے بیچ میں کیسے خوش رہ سکوں گی۔‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص21]

یہ اقتباس پڑھ کر احساس ہو تا ہے کہ عابد سہیل کی قلم کی نوک میں انسانیت کا کیسا گہرا عرفان پو شیدہ ہے۔ وہ اپنے فن سے اسے کتنی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنے پر قادر ہیں۔کہا نی پڑھتے ہوئے محسوس ہو تا ہے کہ عابد سہیل نے کردار کی جبلتوں کی پیدا کردہ جدلیات کے نازک ترین پہلوؤں پر بھی گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ ان کے مشاہدے کے نچوڑ کی بہترین مثال دیکھئے ۔ وہ لکھتے ہیں:

’’ بے نام غموں کے تو ہم عورتوں کے پاس خزانے ہو تے ہیں جنہیں ..... ہم لٹا تے نہیں، بٹوربٹور کر رکھتے ہیں۔‘‘

[سب سے چھو ٹا غم، عابد سہیل، ص18]

کہا نی کا تانا بانا عا بد سہیل نے بڑی فنی مہارت سے بنا ہے۔ کہانی کو اختتام پر اپنے عروج پر پہنچا دیا ہے اور انسا نی جذبات کا رخ بڑے ہنر سے مثبت پہلو کی جانب بڑی خو بصورتی سے مو ڑ دیا ہے۔ کہانی اپنی مقصدیت کی طرف فطری اندازمیں بڑھتی ہے اور قارئین کو ہمت، حو صلہ اور صبر کا درس دیتی ہے۔